خالد محمود سنجرانی*

ہائیڈل برگ میں لکھی جانے والی اقبال کی ایک نظم اور چند مغالطے

A Poem by Iqbal Composed in Heidelberg: Context and Misconceptions

Abstract:

This article critically examines a widely circulated misconception regarding Allama Iqbal's poem "Sulaimā" from *Bāng-e-Darā*, allegedly written for Atiya Fayzee during his stay in Heidelberg, Germany. Drawing on Iqbal's own handwritten manuscript and tracing the origins of the confusion to misread or misremembered claims by scholars such as Akbar Haideri and Gyan Chand Jain, the article argues that there is no concrete evidence that Iqbal ever titled the poem "Atiya" or explicitly dedicated it to her. By carefully revisiting primary sources, including Iqbal's personal notebook housed at Javed Manzil and Sabir Kalorvi's critical article, the article reveals the speculative and occasionally misleading nature of the interpretations that link the poem to personal relationships. The article also contextualizes Iqbal's Heidelberg stay, highlighting the poet's academic, social, and linguistic pursuits, thereby offering a nuanced understanding of the creative atmosphere in which "Sulaimā" was composed. In doing so, the study not only corrects historical inaccuracies but also emphasizes the need for caution when dealing with biographical readings of literary texts.

Keywords: Allama Iqbal, Heidelberg, Sulaima, Atiya Fayzee, manuscript, misattribution, Urdu literary criticism

ہائیڈل برگ، جرمنی میں علامہ اقبال(۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) کے زمانۂ قیام کی یادگار نظموں میں سے ایک نظم بانگِ درا (۱۹۲۴ء) میں ''سلیمیٰ'' کے عنوان سے موجود ہے۔ علامہ اقبال کی قلمی بیاض میں ان کے ہاتھ سے لکھی گئی نظموں میں یہ نظم بھی شامل ہے۔ اس نظم پر اقبال کے ہاتھ سے ''۷ ستمبر، ہائیڈل برگ'' درج ہے کہ جس سے اس نظم کا زمانۂ تخلیق اور مقام کا حتمی تعین ہو جاتا ہے اور اس بارے میں مغالطوں اور قیاسات کے لیے گنجائش نہیں رہتی۔ آئندہ صفحات میں اس نظم کا عکس ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں عطیہ فیضی(۱۸۷۷ء-۱۹۶۷ء) نے اپنے احباب کے ہم راہ ہائیڈل برگ اور میونخ کی سیاحت کی۔ ان سیاحتوں کا احوال ان کی انگریزی کتاب *Iqbal* میں موجود ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہائیڈل برگ اور میونخ کی سیاحتوں میں علامہ اقبال بھی ان کے ہم راہ تھے۔ اس کتاب میں روزنامچے کی تکنیک کے سبب متحرک تصاویر، عطیہ فیضی کے نام

علامہ اقبال کے مکاتیب کے عکس اور مشمولات سے علامہ اقبال کی سماجی زندگی کی ایک یادگار صورت ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان سیاحتوں اور کتاب کے مشمولات سے کچھ مغالطوں نے بھی سر اٹھایا۔ ان میں سے چند مغالطے بانگِ درا میں شامل اس نظم "سلیمیٰ" کے بارے میں بھی ہیں۔ اس نظم کو بہت سے شارحین نے اپنا موضوع بنایا ہے۔ شارحین کے ساتھ ساتھ کچھ ناقدین اور محققین بھی اس نظم کو تاریخی تناظر میں دیکھتے ہوئے مغالطے کا شکار ہوئے یا انھوں نے جن ماخذات کو بنیاد بنایا، وہ ماخذ معتبر نہیں ہیں۔ ایسی ہی ایک مثال ہمارے پیش نظر گیان چند (۱۹۲۳ء-۲۰۰۷ء) کی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند اردو تحقیق و تنقید کا ممتاز نام ہیں۔ ان کی ایک کتاب ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ و سال (۱۹۸۸ء) اقبال شناسی میں اہم مقام کی حامل ہے۔

گیان چند جین جیسے اہم لوگوں نے پروفیسر اکبر حیدری کشمیری (پ:۱۹۲۹ء) کی اقبال اور ان کی اس نظم سے متعلق تحقیق کو ماخذ بنایا ہے اور لکھا ہے: "ڈاکٹر اکبر حیدری نے اپنے ایک مضمون میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ نظم عطیہ کے لیے لکھی گئی۔ عرب میں سلمیٰ ایک مشہور حسینہ تھی۔ وہاں ہر معشوقہ کو سلمیٰ کہہ دیتے ہیں۔ اقبال نے اسے سلیمیٰ بنالیا۔ ان کا قیاس ہے کہ اس نظم کا عنوان اصلاً عطیہ ہی رہا ہو گا جسے اپنی دوسری شادی (۱۹۱۳ء) کے بعد حسینہ کر دیا"[۱]۔ ڈاکٹر گیان چند نے اس دعویٰ سے متعلق چھان پھٹک نہیں کی جس کی ایک اہم وجہ ان کے کام کا پھیلاؤ ہو سکتا ہے۔ راقم کے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ پروفیسر اکبر حیدری کی اقبال اور ان کی شاعری سے متعلق تحقیق کو اہم ماخذ کے طور پر لینے سے تاریخی اغلاط اقبال شناسی میں شامل ہو گئی ہیں۔ ان کا کام ان کے اخلاص کو ضرور ظاہر کرتا ہو گا لیکن یہ معصومانہ اخلاص بڑی غلط فہمیوں کا باعث بنا ہے۔ اقبال کی نظم "سلیمیٰ" کی بابت ڈاکٹر گیان چند نے اکبر حیدری کی قیاسات پر مبنی تحقیق کو اپنی کتاب میں شامل کر کے اپنی رائے دینے سے اجتناب کیا ہے۔ زیادہ مناسب ہوتا کہ جن احباب کے قیاسات وہ اپنی کتاب میں شامل کر رہے ہیں، ان قیاسات کے باب میں کچھ لکھ دیتے۔

اقبال کے ہاتھ سے لکھی ہوئی اس نظم کی روشنی میں ڈاکٹر اکبر حیدری نے پروفیسر صابر کلوروی (۱۹۴۹ء-۲۰۰۸ء) کے ایک مضمون کو ماخذ بناتے ہوئے اس نظم کے عنوان کو عطیہ فیضی سے منسوب کیا اور دعویٰ کیا کہ اقبال نے اپنے ہاتھ سے اس نظم کا عنوان 'عطیہ' لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "کلوروی صاحب نے اسی عنوان کے تحت ایک مضمون لکھا جو غالباً صحیفہ لاہور میں اگست ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تھا۔ صحیفہ کا وہ شمارہ اس وقت سامنے نہیں۔ موصوف نے اقبال میوزیم لاہور میں بیاض اقبال کے مخطوطے میں یہ نظم دیکھی اور اس کا عنوان اقبال نے "عطیہ" ہی لکھا تھا"[۲]۔

اس مغالطے کو ایک ہی صورت میں دور کیا جا سکتا ہے کہ جاوید منزل میں موجود بانگِ درا کی اس قلمی بیاض کو سامنے رکھا جائے کہ جس کی بابت یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس نظم کا عنوان اقبال نے "عطیہ" ہی لکھا تھا۔ علامہ اقبال کے ہاتھ سے لکھی ہوئی نظموں پر مشتمل یہ بیاض بردار مکرم منیب اقبال کی ملکیت ہے اور "جاوید منزل" میں رکھی ہوئی ہے۔ اس کی ایک عمدہ نقل راقم کے

پاس منیب اقبال صاحب کے توسط سے موجود ہے۔ ذیل میں اس نظم کی عکسی نقل پیشِ خدمت کہ جس سے اس نظم کے بارے میں درج مذکورہ بالا باتوں کی حقیقت کھل جائے گی۔

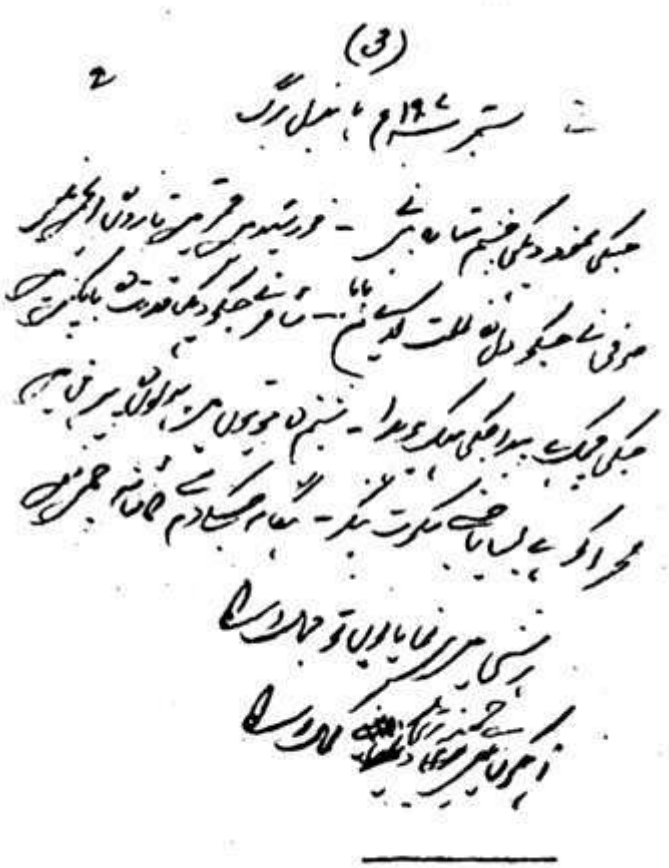

علامہ اقبال کی قلمی بیاض میں سرے سے اس نظم کا کوئی عنوان موجود ہی نہیں۔ اس لیے اس امر کی درستی ہو جانی چاہیے کہ اقبال کی بیاض میں اس نظم کا کوئی عنوان انھوں نے خود درج کیا تھا۔ اس کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیاضِ اقبال میں اقبال کے ہاتھ سے لکھی ہوئی اس نظم کے بارے میں یہ اتنی بڑی غلط فہمی کیوں پیدا ہوئی اور پروفیسر صابر کلوروی کے

مضمون کو بنیاد بنا کر یہ دعویٰ کیسے کیا گیا۔ پروفیسر صابر کلوروی کے جس مضمون کو بنیاد بنایا گیا، اس مضمون کی اشاعت کے بارے میں اکبر حیدری نے قیاس سے ہی کام لیا اور یہ بھی لکھا کہ اس وقت وہ مضمون سامنے نہیں۔ گویا کہ انھوں نے اقبال کی قلمی بیاض میں شامل اس نظم کے عنوان کے بارے میں جو لکھا وہ اپنی یادداشت کے زور پر لکھا اور یادداشت بھی ثانوی ماخذ کے باب میں ، تحقیق کی دنیا میں یہ اقدام مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لازم تھا کہ پروفیسر صابر کلوروی کے اس مضمون کو پہلے دیکھا جائے کہ جس مضمون کی بنیاد پر اکبر حیدری کا یہ دعویٰ ہے کہ اقبال نے اپنی بیاض میں اپنے ہاتھ سے اس نظم کا عنوان 'عطیہ' لکھا ہے۔ راقم نے ڈاکٹر تحسین فراقی (پ:۱۹۵۰ء) سے فون پر رابطہ کیا، مطلوبہ شمارے کی درخواست کی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ چوں کہ غالباً کا لفظ بھی نشان دہی میں شامل ہے تو ۱۹۸۸ء کے سبھی شمارے دیکھ لیے جائیں اور کلوروی صاحب کا مضمون تلاش کر کے بھیج دیا جائے تو ممنون ہوں گا۔ فراقی صاحب نے کمال شفقت سے کام لیتے ہوئے کلوروی صاحب کا مضمون بھجوا دیا جو صحیفہ جنوری، مارچ ۱۹۸۸ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، جب کہ اکبر حیدری کشمیری نے اگست کا شمارہ لکھا تھا۔ اس مضمون کو بارہا پڑھا لیکن اس میں کہیں بھی کلوروی صاحب نے اقبال کی قلمی بیاض میں شامل اس نظم کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ اقبال نے اپنے ہاتھ سے اس نظم کا عنوان "عطیہ" درج کیا ہے۔ اس لیے کلوروی صاحب سے منسوب یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ انھوں نے لکھا کہ قلمی بیاض میں علامہ اقبال نے اس نظم کا عنوان "عطیہ" لکھا ہے۔ کلوروی صاحب کے نشان زد مضمون میں ایسا کوئی جملہ یا دعویٰ موجود نہیں۔ کلوروی صاحب کے اسی مضمون سے ایک جملہ پیشِ خدمت ہے کہ اگر اسے ادھورا پڑھا جائے تو اس سے وہی افسوس ناک نتائج بر آمد ہوں گے جو اکبر حیدری کشمیری صاحب نے بر آمد کیے۔ پروفیسر صابر کلوروی اس مضمون میں لکھتے ہیں: "سلیمیٰ" کا ابتدائی مسودہ "اقبال میوزیم ،لاہور" میں محفوظ ہے اور اس نظم پر علامہ کی اپنے قلم سے کی ہوئی اصلاحات بھی موجود ہیں۔ اس نظم کا عنوان "عطیہ" تھا، نہ "حسینہ"[۳]۔

اقبال کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ان کی نظم "سلیمیٰ" کے عکس اور صابر کلوروی کے مضمون کے اقتباسات سے واضح ہے کہ بیاضِ اقبال میں اقبال کے ہاتھ سے لکھی ہوئی نظم کا سرے کوئی عنوان ہی موجود نہیں۔ اس باب میں پروفیسر اکبر حیدری صاحب کی قیاسات پر مبنی آرا اور حافظے کے زور پر دیے جانے والے بیانات کسی قدر گم راہ کن ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے قلم سے اس نظم پر جو اصلاحات کی ہیں، وہ عکس میں واضح ہیں۔ اس نظم کے آخری شعر کے دوسرے مصرعے "آنکھوں میں تری دیکھا مینے (میں نے) کمال اسکا" کو "آنکھوں میں ہے حسینہ تری کمال اسکا" کیا گیا ہے۔ بانگِ درا کی اشاعت میں 'حسینہ' کو 'سلیمیٰ' بنا کر عرب تہذیب میں حسن کا استعارہ بنا دیا گیا۔ راقم میں یہ تاب نہیں کہ اس نظم میں 'حسینہ' کے بارے میں جو جو خامہ فرسائی حیدری صاحب نے کر رکھی ہے اور جس نوع کے مغالطوں کو انھوں نے ہوا دے رکھی ہے، ان کو دہراؤں یا اقتباس کے طور پر درج

کروں۔ برادر بزرگ صابر کلوروی نے بہت تفصیل سے صحیفہ کے مذکورہ شمارے میں اس نظم کے باب میں حیدری صاحب کی آرا اور مبالغوں کو پیش کر کے ان کا مؤثر جواب دیا ہے۔ کلوروی صاحب نے جب یہ مضمون لکھا اور جب یہ مضمون شائع ہوا تو اس وقت رسائل میں عکسی نقل کی اشاعت کا رواج کم تھا۔ اس لیے وہ شہادت کے طور پر 'جاوید منزل' میں بیاض کا عکس شامل نہ کر سکے۔ مزید حیرت ہوتی ہے کہ یہ نظم بڑے وقیع اداروں اور رسالوں میں غلط معلومات کے ساتھ غلط عنوان کے تحت شائع ہوتی رہی۔ ان اداروں کے نگران اور رسالوں کے مدیر ادبی دنیا میں اکابر کا درجہ رکھتے ہیں لیکن بہ وجوہ اس جانب دھیان نہ جا سکا کہ ہائیڈل برگ میں عطیہ فیضی کے ساتھ اقبال کے گزرے ہوئے زمانے کو یہ غلط معلومات کچھ کا کچھ بنا دیں گی اور اقبال کے ہائیڈل برگ میں قیام کے زمانے کی تعبیرات خلط ملط ہو جائیں گی۔ اکبر حیدری کی کتاب اقبالیات کے نئے گوشے میں عطیہ فیضی اور اقبال کے حوالے سے موجود تعبیرات اسی نوع کی اغلاط سے بھری پڑی ہیں۔

بیاض اقبال میں شامل اس نظم کے عکس سے اس کا تخلیقی مکاں واضح ہو جاتا ہے اور زمانے کا حتمی تعین بھی ہو جاتا ہے۔ گیان چند جین کے مطابق "نظم کا زمانہ معلوم نہیں"[۴] اس نظم کو ہائیڈل برگ میں بیٹھ کر لکھا گیا اور اس کا زمانہ تصنیف (ستمبر ۱۹۰۷ء) خود اقبال کے ہاتھ سے درج ہے اور واضح ہے۔ گیان چند جین نے دست یاب وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ اقبال کے ابتدائی کلام کو مہ و سال کی ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ نظم ان کے ترتیب شدہ کلام میں شامل ہے۔ اس نظم کے زمانۂ تخلیق کے بارے میں انھوں نے قیاس سے کام لیا ہے اور اشاعتِ اول کی نشان دہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> بیاض میں اس نظم کو نظام المشائخ رجب ۱۳۲۸ھ م جون جولائی ۱۹۱۰ء سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تصنیف اس سے پہلے کی ہے کیوں کہ بانگ میں قیام یورپ کے دور میں دی ہے۔ بیاض، رزاق اور قلمی کلام میں اس نظم کا عنوان 'لامکاں کا مکاں' ہے۔ نظم کا زمانہ معلوم نہیں۔ بانگ میں اس کے وقوع کی بنا پر اسے یہاں رکھ دیا گیا ہے۔[۵]

گیان چند جین نے اس نظم کے زمانے کے بارے میں حتمی طور پر کوئی بات نہیں کی۔ انھوں نے بانگِ درا میں اس کے وقوع کی بنیاد پر قیاس سے کام لیتے ہوئے اس نظم کو یورپ کے زمانۂ قیام کے دور میں شامل کیا ہے۔ بانگ درا میں نظموں کی ترتیب کی بنیاد پر اس کے زمانۂ تخلیق کا تعین نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ الگ الگ نظم کی ترتیب زمانی نہیں ہے۔ یورپ میں قیام کے دوران میں لکھی جانے والی کچھ نظمیں بانگِ درا کے تیسرے دور میں بھی موجود ہیں۔ اس لیے بانگِ درا کو اقبال کی اردو نظموں کی زمانی ترتیب میں بنیادی ماخذ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا کہ اس سے مغالطہ پیدا ہونے کا امکان موجود ہے۔

تخلیقی نابغے کی ایک غیر معمولی صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنی تحریر سے شخصی چھاپ کو دور کرنے میں بہت حد تک

کامیاب رہتا ہے۔ وہ اپنے مشاہدات اور اطراف کے کرداروں کو اس ادا سے بیان کرتا ہے کہ شخصی چھاپ کا گماں دُور دُور تک نہیں رہتا۔ شخصی حوالے زمان و مکان کے پابند ہیں، بڑی شاعری اور ادب زماں و مکاں سے بلند تر ہو کر ان قدروں اور کیفیات کو اپنے اندر سمو لیتا ہے کہ جو وقت کے سیل کو روک لیتی ہیں۔ ہومر سے لے کر غالب تک کے زمانے میں اس کی بہت سی مثالیں ادبی دنیا میں مل جائیں گی۔ اقبال نے بانگِ درا کا بہت کڑا انتخاب کیا، ان کا مؤقف اس باب میں بہت واضح تھا اور وہ سختی سے اس مؤقف پر قائم رہے کہ پرائیویٹ نظموں پر عوام کا حق نہیں ہے، اسی مؤقف کے سبب انھوں نے نجی اور ذاتی نوعیت کی نظمیں اپنے شعری مجموعوں میں شامل نہیں کیں۔ اس مؤقف اور مزاج کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا کہ "عطیہ" کے عنوان سے کوئی نظم لکھتے یا اسے کسی رسالے میں اشاعت کے لیے ارسال کرتے۔ ان کی یہ نظم شخصی چھاپ سے کوسوں دور ہے۔ اس نظم کا بنیادی موضوع اس کائنات کے حسن کو لباس مجاز میں دیکھنے کی سرشاری ہے جو کسی کی آنکھ میں سمٹ کر شاعر کے دل کو ازلی حسن کی جھلک دکھلا گیا۔ صابر کلوروی صاحب نے اپنے مقالے میں اس نظم سے وابستہ موضوع اور مغالطوں کی صورت کچھ خواتین کے ناموں سے بھی بحث کی ہے جس بحث کا حاصل یہ ہے کہ پڑھنے والوں، شارحین اور ناقدین کو تخلیق میں غیر شخصی رویہ رکھنا لازم ہے۔

مناسب ہو گا کہ یہاں لفظ سلیمیٰ کی کچھ وضاحت کی دی جائے۔

عرب کی شعری روایت میں سلمیٰ روایتی اور فرضی محبوب کا علامتی نام ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے اس رمز کی صراحت خود علامہ اقبال کے ہاں موجود ہے۔ ان کی مثنوی اسرار و رموز میں شعرا کو مشورہ دیتے ہوئے کہا گیا ہے: دل بہ سلمائے عرب باید سپرد (اپنا دل عرب کی سلمیٰ کے حوالے کر دو) مراد یہی ہے کہ ہمارے شعری استعارے، علامات اور فکری سرزمیں کا رشتہ سر زمین حجاز سے وابستہ ہو۔ اردو کی شعری روایت عجم کے علائم و رموز کی پروردہ ہے۔ گل و بلبل، ساقی و مینا، بادہ و جام، صیاد، نخچیر، آشیاں، بجلی، سرو قامت کیا اشجار اور کیا چرند پرند سبھی عجمی لے میں گنگناتے ہوئے ہمیں اردو شاعری میں دکھائی پڑتے ہیں۔ اس مضبوط شعری روایت میں رہتے ہوئے اور لکھتے ہوئے علامہ اقبال شعرا کو اپنے فکری رشتوں کے زاویے کو قدرے تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ تم اپنا دل اب عرب کی سلمیٰ کے حوالے کر دو۔ مراد یہی ہو گا اپنا شعری اظہار عرب کی شعری روایت اور علائم و رموز کے ساتھ منسلک کر لو۔ یہی سبب ہے کہ ان کے فارسی کلام میں عرب شاعری کے استعارے اور عرب سرزمین سے وابستہ عوامل دکھائی دیتے ہیں کہ جب وہ اسرار خودی میں انسانی نفس کو "مثل شتر خود پرور است" کہہ کر اونٹ جیسی غیر شاعرانہ علامت کو رائج کرتے ہیں اور یہ ان کی شاعری میں اونٹ، حجاز کی سرزمین سے ابھرتا ہوا نیا استعارہ بن جاتا ہے کہ جو فارسی کی فکری زمین میں اپنا قدم رکھ لیتا ہے۔ اس طور اقبال کا شعرا کو دیا جانے والا مشورہ خود ان کی شاعری میں بھی تعبیر کی صورت سامنے آتا ہے۔

مثنوی اسرار و رموز میں موجود اس مصرع "دل بہ سلمائے عرب باید سپرد" پر حاشیہ درج ہے جو ذیل میں پیش

کیا جاتا ہے: 'سلمٰی ادبیات عرب میں معشوقہ کا نام ہے۔'[۶] یہ ایڈیشن علامہ اقبال کی زندگی میں ہی شائع ہوا اور اقبال اکادمی کی ویب گاہ پر اس کا عکس موجود ہے کہ جہاں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ سرورق پر یہ وضاحت موجود ہے کہ اس ایڈیشن میں اسرار خودی اور رموز بے خودی دونوں کو یک جا کر کے شائع کیا جارہا ہے۔ گمان کیا جاسکتا ہے کہ یہ حاشیہ خود علامہ اقبال کا تحریر کردہ ہو۔ لفظ 'سلمٰی' کی بابت خود علامہ اقبال کی تصنیف سے صراحت بہ ذات خود بنیادی ماخذ ہے۔ 'سلمٰی' سے 'سلیمٰی' بنا ہے۔ اس بارے میں راقم کی عربی زبان و ادب کے ممتاز عالم ڈاکٹر خورشید رضوی سے فون پر استفسار کیا۔ انھوں نے رہنمائی کرتے ہوئے بتایا کہ کہ عربی میں فُعیل کے وزن پر لفظ میں حرف 'ی' کا اضافہ کرنے سے اسم مصغر بن جاتا ہے۔ حرف 'ی' کا اضافہ تصغیر کو ظاہر کرتا ہے۔ 'سلمٰی' میں حرف 'ی' کے اضافے سے یہ 'سلیمٰی' بن جاتا ہے جس کے معنی ہیں 'چھوٹی سلمٰی' جیسے 'زبر' بہ معنی شیر، اس میں 'ی' لگادیں تو 'زبیر' ہو جائے گا جس کے معنی ہیں چھوٹا شیر۔ طفل سے طفیل، حسن سے حسین، سلمٰی سے سلیمٰی وغیرہ اسی تصغیر کی مختلف صورتیں ہیں۔

بانگ درا ہی میں علامہ اقبال کی ایک اور معروف نظم 'عبد القادر کے نام' میں 'سلیمٰی' کی علامت موجود ہے کہ جب یورپ سے واپسی پر یہ نظم ان عزائم کی عکاس ہے کہ جو اقبال تب اپنے دل و دماغ میں رکھتے تھے۔ اس نظم میں یہ شعر دیکھیے:

رختِ جاں بت کدۂ چیں سے اٹھالیں اپنا
سب کو محوِ رخ سُعدیٰ و سُلیمٰی کردیں[۷]

کلام اقبال میں 'سلیمٰی' نامانوس علامت نہیں ہے۔ اقبال کے فارسی کلام کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں یہ علامت متنوع انداز میں ظاہر ہوتی ہے اور اسے کسی فرد واحد سے وابستہ کرنا شعری فضا سے ہم آہنگ نہ کرنے جیسا عمل ہے۔ 'عرائس الشعر' (شعری محبوبائیں) کی رو سے کسی حقیقی وجود کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ روایتی اور فرضی نام ہے جو علامت کے طور پر عرب شعرا اور تمدن میں رائج رہا ہے اور اسی کے زیر اثر کہیں کہیں اردو میں بھی مستعمل ہوا۔ اقبال کے ہاں ایک سے زیادہ تخلیقی منطقوں میں اس علامت کا ظہور ہوا ہے۔ بعد ازاں، اختر شیرانی کی رومانوی شاعری میں یہ 'سلمٰی' کی یہ علامت اس طور بھی آئی کہ کسی حقیقی وجود کو پردہ اخفا میں رکھتے ہوئے اظہار عشق کیا گیا۔ شعری روایت میں ہماری کلاسیکی شاعری میں مونث کا صیغہ کم ہی استعمال ہوا ہے کہ اس اخفا میں ہی شعری حسن برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ علامہ اقبال کے ہاں 'سلیمٰی' اسی کلاسیکی روایت اور عرب کی شعری علامت کی یک جائی کا نام ہے۔

بانگ درا کو ترتیب دیتے ہوئے علامہ اقبال نے بہت کڑا انتخاب کیا۔ ان کے متعدد مکاتیب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بانگ درا کا یہ کڑا انتخاب انھوں نے کس کس معیار کو پیش نظر رکھ کر کیا۔ ان معیارات میں سے ایک معیار نجی نوعیت کی نظموں کا شامل نہ کرنا بھی ہے۔ علامہ اقبال نے نجی نظموں کو یک قلم مسترد کیا اور اپنا موقف بھی مختلف مکاتیب میں واضح کیا کہ نجی اور

پرائیویٹ نوعیت کی نظموں پر پبلک پر کوئی حق نہیں۔ اس مزاج کے حامل تخلیقی نابغے کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ اس نظم کی بابت غیر محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے بانگ درا میں شامل کر لیتے۔ شارحین اور اقبالیات کے ماہرین نے اپنے طور کچھ نتائج اخذ کیے اور اس نظم کو نجی سمجھا۔ شعری علامت کو اگر علامت نہ سمجھا جائے تو اسی نوع کی تعبیرات سامنے آتی ہیں۔ اقبال کے ہاں یہ نام عرب کی شعری روایت کے تتبع میں علامتی طور پر سامنے آیا ہے۔

ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کا قیام زیادہ طویل نہیں۔ وہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء تا ۵ نومبر ۱۹۰۷ء تک یہاں مقیم رہے۔ اس مختصر مدت میں انھیں جرمن بول چال کی زبان پر دسترس بھی حاصل کرنا تھی کہ ان کی ڈاکٹریٹ کا زبانی امتحان جرمن میں ہی ہونا قرار پایا تھا، اسی عرصے میں انھیں میونخ بھی جانا پڑا اور وہاں قیام بھی کرنا تھا تاکہ مناسب وقت میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ جمع کروایا جاسکے۔ ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود چند مخطوطات کا مطالعہ بھی اسی عرصے میں ان کے پیشِ نظر تھا کہ یہ ذمہ داری سر ٹامس آرنلڈ (Sir Thomas Walker Arnold۔۱۸۶۴ء-۱۹۳۰ء) نے ان کے سپرد کی تھی۔ اس شہر کی سماجی زندگی میں ان کی شمولیت اور شب و روز کی مصروفیت اس کے سوا ہے کہ جس کا تذکرہ تفصیل سے عطیہ فیضی کے مطبوعہ روزنامچے میں شامل ہے اور سعید اختر درانی (۱۹۲۹ء-۲۰۱۸ء) نے بھی اسے واضح کیا ہے۔ اتنے زیادہ منصوبوں کے لیے یہ وقت بظاہر بہت کم دکھائی دیتا ہے لیکن حیرت انگیز حد تک علامہ اقبال نے نہ صرف اپنے تمام علمی مطالبات کو پورا کیا بلکہ اس میں ایک ایسا معیار بھی قائم کیا کہ جس کی پیروی ناممکن سی ہے۔ ڈاکٹریٹ کے لیے اپنے مقالے کی نوک پلک سنوارنے کے لیے بھی یہ وقت کم دکھائی دیتا ہے۔ ایران کی شاعری میں مابعد الطبیعیاتی عناصر کے موضوع پر ان کے اس مقالے کو سند کی حیثیت حاصل ہوئی۔ جرمن زبان کو سیکھنے میں ان کا عالم یہ ہے کہ جو مکاتیب انھوں نے جرمن زبان میں ایما ویگناسٹ (Emma Wegenast۔۱۸۷۹ء-۱۹۶۴ء) کو لکھے، ان مکاتیب میں جرمن زبان کے حسن کی داد انھیں ان لوگوں سے بھی ملی کہ جو اس زبان کے ماہرین ہیں۔ سماجی زندگی میں بھی انھوں نے بھرپور شمولیت اختیار کی، اگرچہ وہ کشتی رانی کے مقابلے میں سب سے آخری نمبر پر رہے لیکن وہ اس میں شامل ضرور ہوئے۔ ہائیڈل برگ کی بلند ترین چوٹی پر لوہے کی رسیوں کی مدد سے چلنے والی ٹرام میں سوار ہونا، احباب کے ساتھ جانا، اچھے انداز میں وقت بسر کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ ہائیڈل برگ کے نواح میں موجود ایک علامتی مسجد کو دیکھنے کے لیے احباب کے ساتھ وہاں پہنچنا معنی خیز ہے کہ اتنی مختصر مدت میں یہ سب کیسے کیا ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب وقت کی بندش کے سبب ہی ہوا ہو۔ علامہ اقبال کے علمی مشاغل، لسانی ضرورتیں اور فلسفیانہ پہلو اپنی جگہ لیکن انھوں نے وہاں کی سماجی زندگی میں بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ ان سب کے ہوتے ہوئے انھوں نے گوئٹے (Johann Wolfgang Von Goethe۔۱۷۴۹ء-۱۸۳۲ء) کو پڑھنے کے لیے بھی وقت نکالا اور دریائے نیکر کے کنارے بیٹھ کر گزرے لمحات کو وہ یاد بھی کرتے رہے۔ مجموعی طور پر دیکھیں تو ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کا قیام

متنوع جہات رکھتا ہے اور اس قیام کی ہر جہت بھرپور ہے۔

ہائیڈل برگ میں قیام کے دوران میں علامہ اقبال کی علمی مصروفیات اور سماجی تعلقات پر کم و بیش ایک ایک لمحہ ریکارڈ پر ہے لیکن ان کی شخصیت کے غالب ترین پہلو شاعری پر قدرے خاموشی ہے اور یہ گمان گزرتا ہے کہ انھوں نے اس شہر دل آویز میں رہتے ہوئے کہ جو فطرت کے حسن کی رعنائیوں سے بھرا ہوا ہے "ایک شام" کے علاوہ کوئی نظم نہیں کہی ہو گی۔ 'سلیمٰی' ہائیڈل برگ میں زمانۂ قیام کی تخلیق ہے جو علوم کی جستجو میں رہنے والے ایک عالی دماغ کے تخلیقی وفور کا نشان ہے۔ ذیل میں علامہ اقبال کی حیات میں شائع ہونے والے شعری مجموعے بانگِ درا (۱۹۳۰ء) سے اس نظم کا عکس پیشِ خدمت ہے جو ان کے ہاتھ سے لکھی جانے والی نظم سے موازنے کا سامان مہیا کرے گا۔

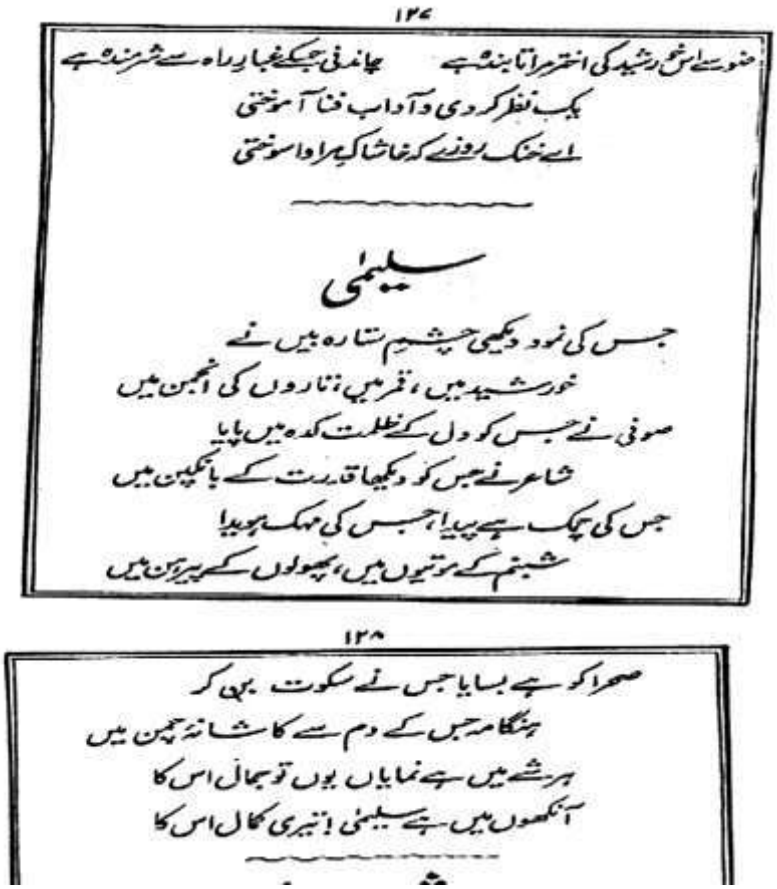

۱۲۷

ضو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے　　چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک نظر کر دی و آدابِ فنا آموختی

اے خنک روزے کہ خاشاکِ مرا واسوختی

سلیمٰی

جس کی نمود دیکھی چشمِ ستارہ بیں نے

خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں

صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدہ میں پایا

شاعر نے جس کو دیکھا قدرت کے بانکپن میں

جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا

شبنم کے موتیوں میں، پھولوں کے پیرہن میں

۱۲۸

صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر

ہنگامہ جس کے دم سے کاشانۂ چمن میں

ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا

آنکھوں میں ہے سلیمٰی! تیری کمال اس کا

حواشی و حوالہ جات

* (پ:۱۹۷۳ء) پروفیسر شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور۔ dr.khalidsanjarani@gcu.edu.pk

۱۔ گیان چند، ابتدائی کلام اقبال۔ بہ ترتیبِ مہ و سال (لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۴ء)، ۳۲۲۔

۲۔ اکبر حیدری کشمیری، اقبال: نادر معلومات (نئی دلی، پرنس آرٹ، ۲۰۰۶ء)، ۲۷۰-۲۷۱۔

۳۔ صابر کلوروی "اقبال کی نظم سلیمیٰ"، مشمولہ صحیفہ شمارہ جنوری-مارچ ۱۹۸۸ء (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۸ء) ۸۰-۸۱۔

۴۔ گیان چند، ابتدائی کلام اقبال۔ بہ ترتیبِ مہ و سال، ۳۲۱-۳۲۲۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ اقبال، مثنوی اسرار و رموز (لاہور: مطبع کریمی ۱۹۲۳ء)، ۴۲۔

۷۔ اقبال، بانگِ درا (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء)، ۵۸۔

Bibliography

Gyan Chand. *Ibtidā'ī Kalām-i Iqbāl: Ba tartīb-i Mah o Sāl*. Lahore: Iqbal Academy, 2004.

Iqbal, Muhammad. *Maṣnavī Asrār o Rumūz*. Lahore: Matbaʿ Karīmī, 1923.

____. *Bāng-i Darā*. Lahore: Iqbal Academy, 1990.

Kashmiri, Akbar Haideri. *Iqbāl: Nādir Maʿlūmāt.* New Delhi: Prince Art, 2006.

Kalorvi, Ṣabir. "Iqbāl kī Naẓm 'Salaimā' ". In *Ṣaḥīfah,* January-March 1988. Lahore: Majlis-i Taraqqi-i Adab, 1988.